ملا نصر الدین کے لطیفے
1

ملا نصر الدین کے لطیفے

سید سعید احمد ایم۔ اے
ایم۔ ایس سی

لاہور۔ راولپنڈی ملتان پشاور حیدرآباد کراچی

Mullah Naseer Uddin Lataif:
All Four Parts (1971-1973) are merged in a single file.

پہلی بار 1971

تعداد 3000

قیمت ایک روپیہ

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

مُلّا نصرالدین

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا خطہ ہو جہاں حاضر جواب اور مزاحیہ شخصیتیں نہ ملتی ہوں۔ مُلّا نصرالدین بھی انہی میں سے ایک تھے لیکن تھے سب میں ممتاز۔ اُن کے طنز و مزاح میں بڑی انفرادیت ہے۔ اگر کسی موقع پر وہ حکمت کے موتی لٹاتے تو دوسرے موقع پر اپنی معصوم حماقتوں سے دوسروں کی تفریح کا سبب بنتے۔ اُن کی حاضر جوابی حکمت رسی اور مزاح کسی خاص محفل تک محدود نہ تھا، نہ وہ موقع محل دیکھ کر بات کرنے کے قائل تھے، چاہے کسی کے جنازہ میں شریک ہوں یا کسی بارات میں، انھیں اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اُن کو تو بس ظرافت کے پھول بکھیرنے سے کام تھا۔

مُلّا کے وطن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ترک تھے، بعض انھیں ایرانی مانتے ہیں۔ البتہ ترکی کے رہنے والے اُن کی یاد بڑی دھوم سے مناتے ہیں اور ہر سال جشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ بہرحال اُن کا وطن کوئی بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اب انھیں عالم گیر

حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ دنیا بھر میں اُن کے لطائف کا چرچا ہے اور ہر زبان میں وہ شائع ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے ماہرین طبیعات مُلّا کے لطائف کو سائنس کے دقیق مسئلے سمجھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جب کہ اہل روس انھیں سرمایہ داروں کا دشمن اور عوامی تحریک کا ایک نمائندہ سمجھتے ہیں اور اُن پر فلم بنا رہے ہیں۔ اسی طرح چین میں بھی اُن کے لطائف کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اور انگلینڈ میں تو پہلے ہی اُن کے لطائف کی کئی جلدیں چھپ چکی ہیں

مُلّا نصرالدین کے لطیفوں کی مقبولیت کی وجہ خود ان کی رنگا رنگ زندگی تھی ـــــ وہ ہر فن مولا تھے۔ انھوں نے درزی کے کام سے لے کر جج کے عہدے تک ہر کام کیا تجارت میں عمل دخل تھا۔ طبیب ہونے کا بھی دعویٰ کرتے تھے۔ سیر و سیاحت میں بھی مشکل سے کوئی ان کا ہم پلّہ تھا۔ ان مشاغل کے علاوہ عالم اور صوفی موروثی طور پر تھے۔ اس وجہ سے ان کی زندگی بڑی پر لطف اور بارونق گزری۔

اگلے صفحات میں ان کے لطائف کا ایک انتخاب دیا جا رہا ہے۔ جن کے پس پردہ ان کا سنجیدہ اور مسکراتا ہوا چہرہ نظر آئے گا۔ یہ لطائف یا تو صرف ذہین لوگ پڑھیں یا بیوقوف درمیانہ درجے کے لوگوں سے مُلّا معذرت خواہ ہیں۔

پچھلا دروازہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا نصرالدین چند بے تکلف دوستوں کے ساتھ ایک قہوہ خانے میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے بات چیت کے دوران مُلّا نے کہا "تم تو جانتے ہی ہو میں بڑا مہمان نواز ہوں!"

دوستوں میں سے ایک بیچ میں بول پڑا "ہاں مُلّا صاحب آپ واقعی بڑے دل والے ہیں"

دوسرا بولا "آج رات کا کھانا ہم آپ ہی کے ہاں کھائیں گے"

مُلّا نے شیخی میں آکر ہامی بھرلی اور دوستوں کو لے کر گھر جا پہنچے۔ گھر کے قریب پہنچ کر دوستوں

کو وہیں کھڑا کیا، خود مکان میں گئے اور جاتے ہی بیوی سے بولے "بیگم جلدی سے کھانے کا انتظام کردو، میرے دوست باہر کھڑے ہیں۔"

بیوی یہ سُن کر سخت برہم ہوئی اور بولی "کمال کرتے ہو تم، گھر میں ایک چٹکی آٹا نہیں ہے اور تم ہو کہ دوستوں کو بھی بُلا لائے۔ جاؤ ابھی ان کو واپس کردو۔"

مُلّا نے لجاجت سے کہا "بیگم خدا کے واسطے اس وقت ہماری بات رکھ لو ورنہ ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

بیوی نے جب دیکھا کہ مُلّا کسی صورت انہیں واپس کرنے کو تیار نہیں تو خود ہی دروازے کی طرف بڑھی۔ وہاں مُلّا کے دوست سخت بے چینی کے عالم میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بیوی نے انہیں مخاطب کرکے کہا "آپ لوگ تشریف لے جائیں، نصرالدین گھر پر نہیں ہیں۔"

"لیکن ہم نے تو ابھی انہیں گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس وقت سے برابر دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں۔"

بیوی نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ مُلّا نصرالدین نے اوپری منزل کی کھڑکی سے سر نکال کر کہا "احمقو! کیا میں پچھلے دروازے سے باہر نہیں جاسکتا——!"

دیگ کا بچّہ

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین کے پاس اُن کا ایک پڑوسی دیگ مانگنے آیا۔ مُلّا نے دیگ دے دی۔ دُوسرے روز پڑوسی جب وہی دیگ واپس لے کر آیا تو ساتھ مذاقاً ایک چھوٹی سی دیگچی بھی لیتا آیا۔

مُلّا نے پُوچھا "یہ کیا ہے——؟"

پڑوسی نے جواب دیا "آپ کی دیگ نے بچّہ دیا ہے۔"

کچھ ہی عرصے کے بعد مُلّا کو چند برتنوں کی ضرورت پڑی تو وہ جاکر اپنے اسی پڑوسی کے پاس سے لے آئے اور ضرورت نکل جانے کے بعد واپس کرنے نہیں گئے۔ کئی روز انتظار کے بعد پڑوسی اُن کے پاس آیا اور اپنے برتن طلب کیے۔ مُلّا نے نہایت سکون کے ساتھ جواب

دیا۔

"افسوس! آپ کے برتنوں کا انتقال ہوگیا۔"

پھر کسی قدر توقف سے کہنے لگے۔ "دوست! ایک بات ہم لوگوں نے ثابت کردی ہے کہ برتن فانی ہوتے ہیں۔"

اسمگلر

مُلّا اپنے خچر پر بیٹھ کر اکثر فارس سے یونان جایا کرتے تھے۔ جاتے وقت اُن کے خچر پر بھوسے کے دو گٹھڑ ہوتے مگر واپسی پر وہ تن تنہا ہی ہوتے تھے۔ فارس اور یونان کی سرحد کے کسٹم کے سپاہی ان کی تلاشی لیتے اور بھوسے کا معاینہ کرتے تھے لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملتی تھی جسے پکڑا جاسکے۔ ایک مرتبہ سپاہیوں نے مُلّا سے پوچھ ہی لیا۔

"مُلّا تم کیا لے جارہے ہو؟"

مُلّا نے جواب دیا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں اسمگلر ہوں آگے آپ جانیں۔"

کئی سال بعد مُلّا کا مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ مصری سپاہیوں نے مُلّا سے کہا۔

"اب تو آپ فارس اور یونان کی سرحدوں سے باہر ہیں اب تو بتادیں کہ آخر آپ ایسی کون سی شئے اسمگل کرتے تھے جنہیں کسٹم والے کبھی نہ پکڑ سکے۔"

مُلّا نے جواب دیا "خچر ——!!"

بِلّی کہ گوشت؟

ایک مرتبہ مُلّا اپنے مہمانوں کی دعوت کے سلسلے میں ڈیڑھ سیر گوشت لائے اور بیوی سے پکانے کو کہا۔ بیوی نے سالن پکانے کے بعد گوشت الگ نکال کر رکھ دیا اور خالی شوربا مہمانوں کو بھیج دیا۔ مُلّا نے بیوی کو بلا کر پوچھا "گوشت کہاں ہے؟"

"بلّی کھا گئی" بیوی نے جواب دیا۔

مُلّا نے جھٹ بلّی کو پکڑ کر ترازو میں تولنا شروع کردیا۔ اس کا وزن ڈیڑھ سیر تھا۔

وہ بولے "اگر یہ بلّی ہے تو گوشت کہاں ہے؟"

اور گوشت ہے تو ... گئی بِلّی؟

ذہانت

ایک دن مُلّا راستے میں جھکے ہوئے کچھ تلاش کر رہے تھے۔ ایک راہ گیر نے رُک کر پُوچھا "آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

مُلّا نے جواب دیا "چابی"۔

اب مُلّا اور راہ گیر دونوں چابی تلاش کرنے میں لگ گئے۔ چند لمحوں بعد اس آدمی نے مُلّا سے پُوچھا "مُلّا! سوچ کے بتائیے، چابی کس مقام پر گری تھی؟"۔

"چابی تو گھر میں گری تھی"

"تو پھر یہاں کیوں تلاش کر رہے ہیں؟"

"یہاں روشنی زیادہ ہے ——!" مُلّا نے جواب دیا۔

احمق پرشاد

ایک فلسفی نے ایک مرتبہ مُلّا سے کسی مسئلہ پر بات کرنے کے لیے مُلاقات کا وقت لیا۔ مقررہ وقت

وہ مُلّا کے گھر پہنچا تو مُلّا غائب تھے۔ اس پر اس نے غصّے میں دروازے پر چاک سے لکھدیا "احمق پرشاد!"

مُلّا جب واپس آئے اور دروازے پر یہ الفاظ پڑھے تو سیدھے بھاگے ہُوئے فلسفی کے پاس پہنچے اور بولے۔ "معاف کیجیے گا۔ بالکل ہی ذہن سے اُتر گیا تھا کہ آپ آنے والے ہیں۔ وہ تو اس وقت یاد آیا جب آپ کا نام دروازے پر لکھا دیکھا!"

ریگستان کا معرکہ

ایک محفل میں مُلّا نصیرالدین نے بیان کیا "ایک دفعہ ایک لق و دق ریگستان میں خوفناک اور خونخوار بدّوؤں کے گروہ سے میرا سابقہ پڑ گیا مگر میں انھیں دیکھ کر ذرا بھی خوف زدہ نہ ہُوا اور آخر میں نے اِنھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔"

"وہ کیسے ——؟" کسی نے سوال کیا اور مُلّا نے جواب دیا۔

"بڑی آسانی کے ساتھ —— بس میں بھاگا اور

وہ بھی میرے پیچھے بھاگنے لگے۔"

خطرہ

ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بچے کو مُلّا کے پاس لائی اور بولی کہ یہ بچہ بہت شریر اور گستاخ ہوگیا ہے، آپ ذرا اس کو تنبیہ کردیجیے۔ آپ کے خوف سے ممکن ہے۔ یہ درست ہوجائے۔ مُلّا نے یہ سُن کر اپنے چہرے کو نہایت غضبناک کیا۔ آنکھیں سُرخ کرلیں اور ماتھے پر شکنیں ڈال کر نہایت گرج دار آواز نکالی پھر زمین پر پیروں کو پٹکا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔ عورت یہ منظر دیکھ کر خود بھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگی جب مُلّا باہر سے واپس آئے تو عورت نے کہا "محترم! میں نے بچے کو ڈرانے دھمکانے کو کہا تھا کہ آپ نے تو میری ہی جان نکال لی"

مُلّا نے جواب دیا "نیک بخت! تو نے نہیں دیکھا کہ میں خود بھی مارے ڈر کے باہر بھاگ گیا تھا، کوئی خطرہ ہوتا ہے تو وہ سبھی کے لیے ایک جیسا ہوتا ہے۔"

نمک اور اُون

ایک مرتبہ مُلّا اپنے خچر پر نمک کی بوری لادے بازار جارہے تھے۔ راستے میں ایک ندی پڑی، خچر جب ندی میں داخل ہوا تو نمک پانی میں گھل گیا اور خچر کو بڑا آرام ملا کیونکہ وزن کم ہوگیا تھا۔ دوسرے دن مُلّا اُون لے کر بازار روانہ ہوئے۔ اب کے ندی سے گزرتے وقت اُون نے پانی کو جذب کرلیا اور اس کا وزن بڑھ گیا اب تو خچر بہت پریشان ہوا۔ مُلّا نے چیخ کر خچر سے کہا "ابے! کیا تو سمجھتا تھا کہ ہمیشہ آرام سے ندی پار کرلے گا۔"

جھگڑے کی جڑ

آدھی رات کو دو آدمی مُلّا کے دروازے پر جھگڑ رہے تھے۔ ان کی آوازوں پر مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے سوچا کہ چل کر انھیں منع کیا جائے چنانچہ وہ اُٹھے، ایک کمبل لپیٹا اور باہر

نکل گئے جب وہ دونوں کو بھگانے لگے تو ایک آدمی
اُن کا کمبل چھین نو دو گیارہ ہوگیا۔ اس کے پیچھے
دوسرا آدمی بھی بھاگ لیا۔ مُلّا سردی کھاتے ہوئے
گھر میں واپس آئے۔ تو بیوی نے جھگڑے کی
وجہ پوچھی۔ انھوں نے مُنہ لٹکا کر جواب دیا۔
"جھگڑے کی جڑ تو میرا کمبل تھا، جونہی انھوں
نے کمبل ہتھیایا، جھگڑا فوراً ختم ہوگیا۔"

مُلّا کے گھر چوری

ایک رات مُلّا کے گھر دو چور آئے قدموں
کی پُر اسرار چاپ پر مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ
مارے ڈر کے ایک الماری میں چھپ گئے۔ چور
گھر کا کونا کونا چھانتے ہوئے الماری تک پہنچے
اور اس کے پٹ کھولے تو مُلّا سامنے کھڑے
تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اس پر ان میں سے
ایک نے پوچھا۔
"حضرت! آپ یہاں کیوں چھپے کھڑے ہیں؟"
مُلّا نے خوف کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔
"میں اس شرم سے چھپ گیا کہ میرے گھر میں

کوئی چیز بھی آپ کے لائق نہیں ہے۔"

پڑھو یا کھاؤ

ایک دن مُلّا بازار سے کلیجی خرید کر لا رہے
تھے۔ دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس میں
کلیجی پکانے کی ترکیب لکھی تھی۔ اچانک ایک
چیل نے جھپٹا مارا اور کلیجی لے اُڑی۔ مُلّا نے
یہ دیکھا تو چیل کی طرف دیکھ کر کہا۔
"ارے پاگل! کلیجی لے گئی تو کیا ہوا پکانے
کی ترکیب تو میرے ہی پاس ہے"

اللہ کی رحمت

ایک مرتبہ شہر کے مشہور عالم آغا عاقل کہیں
جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی اور وہ
بارش سے بچنے کے لیے کسی سائے دار جگہ کی طرف
دوڑنے لگے۔ مُلّا نصرالدین اُدھر آنکلے انھوں نے
نہایت تند لہجے میں کہا "آغا صاحب! کمال ہے
آپ اللہ کی رحمت سے بھاگ رہے ہیں آپ جیسے
عالمِ دین سے تو یہ توقع نہ تھی۔"

آغا صاحب دل ہی دل میں بڑے شرمندہ ہوئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے آخر بارش کی وجہ سے وہ بے انتہا بھیگ گئے اور گھر پہنچ کر سردی سے بیمار پڑ گئے۔

اتفاق کی بات کہ دوسرے موقع پر مُلّا بارش میں گھر گئے اور وہاں سے بھاگنے لگے۔ آغا عاقل نے انہیں بھاگتے دیکھ کر پوچھا "نصرالدین! آپ کیوں اللہ کی رحمت سے بھاگ رہے ہیں؟"

مُلّا نے برجستہ جواب دیا "اللہ کی رحمت پاؤں کے نیچے آرہی ہے۔ میں یہ بے ادبی برداشت نہیں کر سکتا۔"

یہ عقلمند لوگ!

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین ایک سنگین مقدمے میں پھنس گئے۔ انہوں نے گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس بات کی تشہیر کی تھی کہ ملک کے تمام علماء، فضلاء، فلسفی اور فقہاء بے وقوف ہیں، سب کے سب تشکیک میں گرفتار اور خود اعتمادی سے محروم ہیں لہذا مُلّا کو ملک دشمن سرگرمیوں کے

الزام میں گرفتار کر کے عدالت میں لایا گیا۔ اور ملک کے مقتدر علماء اور منطقیوں کو بھی طلب کیا گیا۔ جب سب لوگ عدالت میں حاضر ہو چکے تو بادشاہ نے مُلّا سے مخاطب ہو کر کہا "پہلے تم اپنی صفائی پیش کرو۔"

مُلّا نے جواب دیا "عالیجاہ! مجھے چند قلم اور کاغذ منگوا دیجیے۔"

چنانچہ کاغذ اور قلم آگئے تو مُلّا نے ان میں سے سات عقلمندوں کو ایک ایک کاغذ اور قلم دیدیا پھر ان سے کہا "آپ لوگ اپنے اپنے کاغذ پر ہمارے اس سوال کا جواب لکھیں — روٹی کسے کہتے ہیں؟"

سب لوگوں نے جواب لکھ کر کاغذ بادشاہ کو دے دیے بادشاہ نے ہر ایک کا جواب بآوازِ بلند پڑھنے کی ہدایت کی۔

پہلے نے لکھا تھا "روٹی غذا ہے"

دوسرے نے لکھا تھا "یہ آٹے اور پانی کا مجموعہ ہے۔"

تیسرے نے لکھا تھا "یہ نعمتِ الٰہی ہے۔"

چوتھے نے لکھا تھا "پکایا ہوا آٹا ہے"
پانچویں نے لکھا تھا "اس سوال کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ پہلے یہ بتائیں کہ روٹی سے آپ کی کیا مراد ہے؟"
چھٹے نے لکھا تھا "ایک پیٹ بھرنے کی چیز"
ساتویں نے لکھا تھا "اس کی اصل حقیقت تو کسی کو بھی نہیں معلوم"

ملا یہ جوابات سن کر فوراً بول پڑے "عالیجاہ جب یہ عقلمند لوگ روٹی جیسی عام چیز کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کر سکتے تو پھر یہ کیسے بتا سکتے ہیں کہ میں صحیح ہوں یا غلط؟"

نادان دوست

ملا کے ایک بڑے جگری دوست جلال تھے۔ وہ ایک روز ان سے ملنے آئے۔ ملا کہیں جانے کو تیار تھے، جلال سے کہا "تم بھی ساتھ چلو۔ ابھی گھوم پھر کر واپس آتے ہیں۔"
جلال راضی ہو گئے لیکن ملا سے کہا "ہماری عبا خراب ہو چکی ہے تم دوسری عبا دے دو تاکہ اسے پہن کر چلیں۔"

ملا نے ایک نہایت عمدہ اور نئی عبا اپنے دوست کو پہنا دی اور دونوں ساتھ ہو لیے۔ چلتے چلتے ملا ایک دوست کے پاس پہنچے اور اس سے جلال کا تعارف کراتے ہوئے بولے "آپ سے ملیے، آپ ہیں ہمارے پرانے دوست جلال۔ آپ جو عبا پہنے ہوئے ہیں وہ میری ہے۔" ان سے ملنے کے بعد ملا اور جلال دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جلال نے کہا "بے وقوف آدمی یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ عبا میری ہے"

نصیرالدین نے وعدہ کر لیا کہ اب ایسا نہیں کہوں گا۔

اس کا انھوں نے لحاظ رکھا اور دوسرے مکان پر پہنچ کر جلال کا تعارف کرایا تو کہا "یہ میرے پرانے رفیق جلال ہیں، ان کی عبا خود ان کی اپنی ہے۔"

جلال غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور راستے میں ملا کو برا بھلا کہنے لگا کہ اس نے کسی نہ کسی

بہانے عبا کا تذکرہ کر ہی دیا۔ مُلّا نے پھر وعدہ
کیا کہ اب کچھ نہ کہے گا۔ آخر وہ دونوں تیسرے
دوست کے پاس پہنچے۔ مُلّا نے پھر تعارف کرایا
"یہ ہیں ہمارے دوست جلال! یہ عبا جو انہوں
نے پہن رکھی ہے خیر اس کے بارے میں مجھے
کچھ نہیں کہنا چاہیے"

مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ

ایک ان پڑھ آدمی مُلّا کے پاس آیا اور اُن
سے خط لکھوانا چاہا۔
مُلّا نے جواب دیا "بھائی مجھے افسوس ہے،
میں خط نہیں لکھ سکتا، میرا پاؤں جلا ہُوا ہے"
"پیر کے جلنے اور خط کے لکھنے میں کیا تعلق
ہے، مُلّا؟" اُس نے اعتراض کیا تو مُلّا نے سمجھایا
"بات یہ ہے کہ میں بڑا بدخط واقع ہُوا ہوں
مجھے اپنی تحریر پڑھنے کے لیے خود ہی مکتوب
الیہ تک جانا پڑتا ہے۔ آج کل چونکہ پیر میں
شدید تکلیف ہے اس لیے خط لکھنے کا کوئی
فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کسی اور سے لکھوا لیجیے"

ولایتی بُلبُل

ایک دفعہ نصرالدین ایک باغ میں گئے اور
ایک خوبانی کے درخت پر چڑھ کر مزے سے
خوبانیاں کھانے لگے۔ اتنے میں باغبان آگیا۔ اُس
نے مُلّا کو درخت پر چڑھے دیکھ لیا اور مُلّا سے
پوچھا "وہاں کیا کر رہے ہیں جناب!"
"میں بُلبُل ہوں، گانے گاتا ہوں"
"اچھا جناب بُلبُل ہیں تو ایک گانا مجھے بھی
سنائیں"
مُلّا نے نہایت بھدّی آواز میں گانا شروع
کر دیا۔ باغبان ایسی موٹی اور بھدّی آواز سن کر
خوب ہنسا اور کہنے لگا۔
"خوب! آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے کبھی بُلبُل
کی آواز ہی نہیں سُنی"
"جی آپ نے دیسی بلبلوں کی آوازیں سُنی
ہوں گی میں تو ولایتی بُلبُل ہوں، میری
آواز اُن سے مختلف ہے"

پُرانا چاند

کسی نے مُلّا نصرالدین سے دریافت کیا "جب نیا چاند نکل آتا ہے تو پُرانے چاند کا کیا بنتا ہے ——؟"

مُلّا نے جواب دیا "پُرانے چاند کو توڑ کر ستارے بنادیے جاتے ہیں، ہر چاند سے چالیس ستارے بنتے ہیں۔"

شرع کے عین مُطابق

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مُلّا کو راہ چلتے ایک سونے کی انگوٹھی پڑی ملی۔ مُلّا نے سوچا کہ یُوں ہی رکھ لینا گناہ کی بات ہے۔ اس لیے شرع کے مُطابق بازار میں تین مرتبہ آواز لگانی جائے چنانچہ وہ رات کو تین بجے بازار پہنچے اور بلند آواز سے تین مرتبہ پکارا "یہ سونے کی انگوٹھی کس کی ہے ——؟"

تیسری آواز کے بعد کچھ لوگ اکٹھے ہوئے انھوں نے مُلّا سے پُوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟

مُلّا نے جواب دیا "مُعاملے کی نوعیت تین مرتبہ اِعلان کرنے کے بعد بدل چکی ہے۔ اب اِعلان یہ ہے کہ یہ سونے کی انگوٹھی میری ہے۔"

بھیگی بِلّی

ایک زمانے میں مُلّا نے ایک رئیس کے ہاں مُلازمت کی۔ ایک دن مالک کمرے میں کسی کام میں مصروف تھا۔ اُس نے مُلّا سے کہا "ذرا دیکھو بارش تو نہیں ہورہی ہے —— مجھے بادشاہ نے بُلایا ہے اور جو جُبّہ میں پہن کر جانا چاہتا ہوں اس کا رنگ کچا ہے اس لیے بارش سے رنگ اُتر جانے کا خطرہ ہے۔"

مُلّا ایک کاہل آدمی ٹھہرے۔ اُنھوں نے ایک بھیگی بِلّی کو آتے دیکھ کر وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کرلیا کہ بارش ہورہی ہے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ بِلّی کو کسی نے بھگانے کے لیے اس پر پانی ڈال دیا تھا۔ مالک جب اپنے کام سے فارغ ہوکر باہر نکلا اور دیکھا کہ بارش تو بارش آسمان پر بادل کا نام ونشان بھی نہیں ہے تو وہ

سخت ناراض ہُوا اور اس نے مُلّا کی مستقل چھٹی کردی۔

اکائی کے قاعدے سے

ایک مرتبہ مُلّا ایک گھڑ دوڑ میں شرکت کے لیے اپنے بیل پر سوار ہو کر پہنچے۔ بیل بڑا مریل تھا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مُلّا اس بیل پر بیٹھ کر گھڑ دوڑ میں حصّہ لیں گے، تو وہ خوب ہنسے ان کی ہنسی دیکھ کر مُلّا کو بڑا غصّہ آیا اور وہ کہنے لگے "اس میں مذاق اُڑانے کی کیا بات ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہ بیل چھوٹا تھا تو کافی تیز دوڑتا تھا۔ اب تو بڑا ہو گیا ہے، گھوڑے سے بھی زیادہ تیز دوڑے گا۔"

رحم دلی

ایک دفعہ نصرالدّین اپنے خچر پر لکڑیاں لاد کر گھر کی طرف چلے اور زین پر بیٹھنے کے بجائے لکڑی کے ایک گٹھے پر اچک کر بیٹھ گئے۔
کسی راہ گیر نے پوچھا "مُلّا! زین خالی پڑی ہے اور تم لکڑی پر بیٹھے ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا "میں ظالم نہیں ہوں جو اتنا وزن لادنے کے بعد خود بھی بے زبان جانور پر بیٹھ جاؤں۔ لکڑی پر بیٹھا ہوں کہ اُسے کچھ تو سکون ملے!"

افکار کی عظمت

ایک دن مُلّا بازار سے گزر رہے تھے۔ وہاں اُنھوں نے ایک طوطا بکتے ہوئے دیکھا۔ طوطے کی قیمت پانچ سو ریال لگ رہی تھی۔ مُلّا نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی مُرغی لا کر بیچ دوں جو طوطے سے دوگنی سے بھی زیادہ ہے، اس کی قیمت تو ایک ہزار ریال ملے گی۔ چنانچہ وہ دوسرے ہی دن اپنی مُرغی لے کر بازار پہنچ گئے مگر دن بھر کھڑے رہنے کے باوجود کسی نے مُرغی کے پچاس ریال سے زیادہ نہ لگائے۔ مُلّا کو بڑا غصّہ آیا۔ اُنھوں نے بلند آواز سے چلّا کر کہا۔
"لوگو! کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ دوسروں

کی ننھی ننھی چڑیاں تو پانچ پانچ سو ریال
میں بکیں اور میری اتنی بڑی چڑیا کے صرف
پچاس ریال دو"

اس پر کسی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔
"نصرالدین! وہ طوطے تھے جو انسانوں کی طرح
باتیں کرتے ہیں اس لیے اُن کی قیمت زیادہ
ہے۔"

مُلّا نے فوراً جواب دیا "احمقو! جو چڑیا ہر
وقت ٹیں ٹیں کرے اس کی قیمت زیادہ دیتے
ہو اور جو اعلیٰ افکار و خیالات کے ساتھ۔ ساتھ اپنی
بک بک سے لوگوں کو تنگ نہ کرے اس کی
تمھارے نزدیک قیمت ہی نہیں۔ عجیب زمانہ
آگیا ہے ——!"

اٹھائی گیرا

مُلّا نے بازار سے کچھ سامان خرید کر تھیلے
میں رکھا اور ایک مزدور کو بلا کر اُسے گھر
لے جانے کی ہدایت کی۔ مزدور نے دریافت
کیا "آفندی! آپ کا گھر کہاں ہے؟"

مُلّا نے مزدور کے اس سوال پر اُسے گھور
کر دیکھا اور زور سے بولے "تم مجھے بدمعاش
اور اٹھائی گیرے معلوم ہوتے ہو —— میں تمھیں
اپنے گھر کا پتا ہرگز نہ بتاؤں گا!"

بہترین راستا

ایک مرتبہ کچھ طالب علم مُلّا کی علمی شہرت
سن کر تحصیلِ علم کے لیے ان کی خدمت میں
حاضر ہوئے۔ مُلّا سے درخواست کی کہ انھیں بھی
اپنے شاگردوں کے حلقہ میں شامل کریں۔ مُلّا
نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے اُن سے
مدرسے کی طرف چلنے کو کہا اور خود بھی اپنے
خچر پر سوار ہو کر ساتھ ہو لیے مگر اس التزام
کے ساتھ کہ مُلّا نے خچر کی دم کی طرف اپنا منہ
کیا اور طلبا خچر کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ راہ
گیروں نے جب انھیں اس طرح جاتا دیکھا تو
بڑا مذاق اُڑایا کہنے لگے۔
"مُلّا تو نرا احمق ہے جو خچر پر اُلٹا بیٹھا ہے
اور یہ لڑکے تجھ سے بھی زیادہ احمق ہیں جو

پیچھے پیچھے چلے جارہے ہیں۔"
طلباء نے کچھ دیر تک اپنی جگ ہنسائی برداشت
کی پھر اُن سے نہ رہا گیا انھوں نے مُلّا سے کہا
"مُلّا صاحب، لوگ ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں اور
آپ کو احساس تک نہیں ہوتا آپ خچر پر اُلٹے
کیوں بیٹھے ہیں؟"
نصرالدین کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا
ہوگئے، انھوں نے غصے سے کہا "آپ لوگ
دوسروں کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں، اپنے
بارے میں کم۔ اب آپ نے پوچھا ہے تو سنیے!
اگر آپ خچر کے آگے چلتے تو لوگ کہتے، لڑکے
بڑے بدتمیز ہیں کہ پشت اُستاد کی طرف کیے ہیں
پیچھے چلتے تو لوگ میرے بارے میں بد خیال
ہوتے۔ اگر میں خچر پر سیدھا ہوکر بیٹھ جاؤں
اور آگے آگے چلنے لگوں تب بھی مجھ پر اِلزام
آئے گا اس لیے بہترین راستہ یہی ہے جو میں
نے اِختیار کیا ہے!"

اپنی تلاش

مُلّا کا ایک چوکیدار تھا جس کا نام بیدار تھا۔
ایک رات اُس نے دیکھا کہ مُلّا خود ہی چُپکے
چُپکے کھڑکی سے اپنے کمرے میں داخل ہونے کی
کوشش کر رہے ہیں۔
چوکیدار نے قریب آکر پوچھا "آپ کیا کر رہے
ہیں مُلّا جی؟"
مُلّا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا "خاموش!
لوگ کہتے ہیں، میں سوتے میں چلتا پھرتا ہوں۔
آج میں ذرا خود کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ واقعی
لوگوں کا کہنا صحیح ہے؟"

زیادہ ضرورت مند

ایک دن مُلّا بازار سے صابن کی بٹی خرید
کر لائے اور بیوی سے کہا:
"میری قمیص بڑی میلی ہوگئی ہے۔ وقت نکال
کر اسے دھو دینا"
بیوی قمیص دھونے بیٹھی تو ایک کوا آیا اور
صابن کی بٹی چونچ میں دبا کر اڑ گیا۔
بیوی چیختی رہ گئی۔ جب مُلّا واپس آئے تو
بیوی نے ڈرتے ڈرتے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مُلّا

غصّہ کے بجائے نرمی سے بولے "کوئی بات نہیں! اسے جانے دو! میری قمیض کے مقابلے میں اس کا لباس زیادہ میلا ہے وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔"

مچھلی کا شکار

ایک مرتبہ بادشاہِ وقت نے کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر دیہی علاقوں میں بھیجا کہ وہ ایک ایسے شخص کو تلاش کر کے لائیں جو انتہائی منکسر مزاج ہو۔ بادشاہ ایسے آدمی کو جج بنانا چاہتا تھا۔ یہ خبر کسی نہ کسی طرح مُلّا کے کان تک پہنچ گئی۔ مُلّا نے جھٹ ایک مچھلی کا جال اپنے کپڑوں کے گرد لپیٹ لیا اور شاہی وفد کا انتظار کرنے لگے۔ جب وفد عام مسافروں کے بھیس میں ان کے پاس سے گزرا تو مُلّا سے دریافت کیا کہ انھوں نے مچھلی کا جال کیوں لپیٹ رکھا ہے۔ مُلّا نے جواب دیا۔

"بات در اصل یہ ہے کہ میں قوم کا مچھیرا ہوں اب لکھ پڑھ گیا ہوں لیکن اپنی اصل کو بھولنا کم ظرفی سمجھتا ہوں۔"

شاہی وفد کو مُلّا کے یہ جذبات بہت پسند آئے چنانچہ اس کی سفارش پر مُلّا جج بنا دیے گئے۔ ایک عرصے کے بعد شاہی وفد کے ایک رکن نے مُلّا کو دیکھا اب ان کے پاس مچھلی کا جال نہ تھا۔ اس نے مُلّا سے پوچھا "نصرالدین۔ آپ کا جال کدھر ہے؟" مُلّا نے برجستہ جواب دیا "مچھلی ایک بار پھنس جائے تو پھر جال کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے!"

خدانخواستہ

رات کا وقت تھا، ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی کہ نصرالدین کو باغ میں کوئی سفید سفید چیز نظر آئی۔ انھوں نے اپنی نظریں اسی طرف گڑو دیں اور بیوی سے کہنے لگے "ذرا میرا تیر کمان تو اٹھا لانا!"

بیوی نے فوراً تیر کمان لا کر دے دیا۔ اب مُلّا نے سفید چیز کی طرف نشانہ باندھ کر تیر پھینکا پھر خود بھی دوڑ کر اس چیز کے پاس پہنچ گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ان کی حالت بڑی

خراب ہورہی تھی اور چہرے سے پریشانی ظاہر ہورہی تھی بیوی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"
مُلّا نے جواب دیا۔ "بیگم! بڑی خیر ہوگئی۔ اللہ نے جان بچالی ہیں نے جو تیر چلایا تھا وہ اپنی قمیص پر جاکر لگا تھا۔ اگر خدا نخواستہ میں وہ قمیص پہنے ہوتا تو آج تم بیوہ ہوگئی تھیں۔"

موم بتّی کی حرارت

کہا جاتا ہے کہ مُلّا کے شہر کے قریب ایک بہت اونچا پہاڑ تھا جس پر برف جمی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دوستوں سے شرط لگائی کہ وہ دسمبر جنوری کی سردی میں اس پہاڑ کی چوٹی پر رات گزار سکتے ہیں۔ چنانچہ شرط کے مطابق ایک سرد ترین رات کو مُلّا ایک موم بتی اور کتاب لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور ساری رات وہاں کاٹ دی۔ دوسرے دن صبح انھیں نیم مردہ حالت میں نیچے لایا گیا۔ جب انھیں ذرا ہوش آیا تو انھوں نے شرط کی رقم طلب کی۔ دوستوں نے پوچھا "آپ کوئی چیز ایسی تو اوپر نہیں لے گئے تھے جس سے حرارت حاصل کی ہو؟"
مُلّا نے جواب دیا "نہیں کچھ نہیں!"
"کیا ایک موم بتی بھی ساتھ نہیں لے گئے!"
"ہاں ایک موم بتی تو یقیناً لے گئے تھے۔"
"پھر تو آپ شرط ہار گئے ـــــــ!"
نصرالدین اس وقت چپ ہورہے۔ پھر کچھ دن کے بعد ان سب کو اپنے یہاں دعوت دی۔ وقت مقررہ پر تمام احباب ان کے گھر آ پہنچے مُلّا نے سب کو بیٹھک میں بٹھا دیا اور خود گھر کے اندر بیٹھ رہے۔ کافی دیر ہوگئی تو مُلّا نے سوچا کہ چلیں دیکھیں تو یہ مُلّا کس حال میں ہیں؟ وہاں جاکر دیکھتے ہیں تو تمام دوست باورچی خانے میں گھسے ہوئے ہیں جہاں ایک دیگ۔ پانی دو اینٹوں پر رکھا ہوا ہے اور نیچے ایک موم بتی جل رہی ہے مگر دیگ کا پانی اب تک کنگنا بھی نہیں ہوا تھا۔ مُلّا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"کیا بتاؤں کل سے دیگ چڑھا رکھی ہے مگر اب تک اس میں اُبال بھی نہیں آیا کھانا کیوں کر

پکے گا؟"

اس پر مُلّا کے دوستوں کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔

اِحسان کا بدلہ

ایک مرتبہ نصرالدین اپنے خچر کو پانی پلانے کے لیے ایک تالاب پر لے گئے۔ تالاب کا کنارا بہت خطرناک تھا اور وہاں بڑی پھسلن تھی۔ خچر کے پھسل کر گرجانے کا اندیشہ تھا۔ مُلّا بہت ڈرے۔ اچانک مینڈکوں کی ٹرٹر سے خچر بھڑکا اور پیچھے کھسک گیا۔ مُلّا نے ایک اطمینان کا سانس لیا خوشی میں آکر پیسے تالاب میں ڈال دیے اور ساتھ ہی مینڈکوں سے کہنے لگے "مینڈکو! تمھارا بہت بہت شکریہ۔ یہ پیسے تمھارا اِنعام ہیں انھیں لو اور موج اُڑاؤ!"

لباس کی دعوت

ایک مرتبہ امیرِ شہر نے ایک دعوتِ عام کا اہتمام کیا۔ مُلّا نے اِس دعوت کا حال سنا تو خوشی خوشی خود بھی پہنچ گئے۔ وہاں ایک جمِ غفیر تھا۔ کافی فاصلے پر امیرِ شہر کا تخت تھا جس کے آس پاس بڑے بڑے سرداروں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ضیافت شروع ہوچکی تھی مگر مُلّا کی طرف کسی نے توجّہ نہ دی اور کافی فاصلے پر کھڑے سوچتے رہے کہ ان کی باری تقریباً گھنٹہ بھر کے بعد آئے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ سیدھے گھر گئے جلدی جلدی سب سے قیمتی پوشاک زیبِ تن کی نہایت نفیس عمامہ سر پہ رکھا اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ دوبارہ ضیافت گاہ میں واپس آئے امیرِ شہر کے کارندوں نے جب انھیں دیکھا تو استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ باجے بجنے لگے اور مُلّا کو بڑے اِحترام کے ساتھ امیرِ شہر کے قریب لے جاکر بٹھا دیا گیا۔ چند ہی لمحوں بعد ان کے آگے قِسم قِسم کے کھانے چن دیے گئے۔ لیکن مُلّا نے خود کھانے کے بجائے وہ کھانے اپنے عمامے اور عبا پر ڈالنے شروع کردیے۔ امیر نے یہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور مُلّا سے پوچھا "عالی مرتبت! آپ کے کھانا کھانے کا طریقہ

عجیب و غریب ہے کہ ملا نے سادگی سے جواب دیا "اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اسی لباس نے تو مجھے یہ مقام اور یہ کھانے عطا کیے ہیں، یہ تو اسی کا حصہ ہیں۔"

نصرالدین کا وعظ

ایک دن گاؤں والوں نے سوچا کہ ملا نصرالدین بڑے عالم بنتے ہیں، اُن سے وعظ کرنے کو کہا جائے مقصد یہ تھا کہ ان کا مذاق اُڑایا جائے۔ چنانچہ بہت سے اہم لوگ ملا کے پاس گئے اور کہا کہ اگلے جمعہ کو نماز سے قبل ان کا وعظ ہوجائے۔ ملا تیار ہوگئے۔

چنانچہ جمعہ کے دن مسجد گاؤں والوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ ملا منبر پر کھڑے ہوئے اور نمازیوں کو مخاطب کرکے کہنے لگے: "بھائیو! تمھیں معلوم ہے کہ میں کیا کہنے والا ہوں؟"
لوگوں نے یک زبان ہوکر بلند آواز سے کہا "ہمیں کچھ نہیں معلوم!"
ملا نہایت غضبناک ہوکر بولے "میں ایسے مجمع کے سامنے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کوئی علمی پس منظر نہیں۔" یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر آئے اور اپنے گھر چلے گئے۔ اب گاؤں والوں کا ایک وفد ان کے پاس گیا اور اُن سے معافی مانگ کر اگلے جمعہ کے وعظ کے لیے انھیں تیار کیا۔ جمعہ کو پھر ملا منبر پر پہنچے اور مجمع سے مخاطب ہوکر وہی سوال دُہرایا۔ اب کے مجمع نے یک زبان ہوکر جواب دیا "جی ہاں ہم لوگ بخوبی جانتے ہیں۔"
اس پر ملا نے کہا "جب آپ جانتے ہی ہیں تو سمع خراشی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہ کریں اور گھروں کو تشریف لے جائیں۔" گاؤں والے ملا کے اس جواب پر بڑے چکّر میں پڑ گئے اور صلاح ومشورہ کرکے انھوں نے ملا کو تیسرے جمعہ کے لیے پھر تیار کیا اور آپس میں طے کیا کہ آدھے لوگ کہیں گے "ہاں" اور آدھے لوگ کہیں گے "نہیں"۔ تیسرے جمعہ کو جب ملا منبر پر کھڑے ہوئے اور اپنا پُرانا سوال دُہرایا تو منصوبے کے مطابق نمازیوں میں

سے کچھ نے ہاں اور کچھ نے نہیں کہا۔

اس پر مُلّا بڑے اطمینان سے بولے "بہت خوب! کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ جانتے ہیں وہ اپنی معلومات نہ جاننے والوں تک پہنچا دیں۔" یہ کہہ کر منبر سے اُتر آئے اور اپنے گھر کی راہ لی۔

فیصلہ

کسی زمانے میں مُلّا اپنے گاؤں میں جج کے عہدہ پر فائز کر دیے گئے تھے۔ ایک دن اچانک ایک شخص جو بڑا پریشان حال تھا ان کی عدالت میں گھس آیا اور مُلّا سے بولا "حضور! میرے ساتھ انصاف کریں۔ گاؤں کے کسی بدمعاش نے میری ساری چیزیں لوٹ لیں، کپڑے اور جوتے تک نہیں چھوڑے۔ مجھ پر رحم کریں اور بدمعاش کو تلاش کر کے میرا سامان مجھے دلوا دیں۔"

مُلّا نے پوچھا "وہ بدمعاش تمھاری بنیان اور نیکر چھوڑ گیا؟"

"نہیں حضور! یہ چیزیں تو نہیں لے گیا وہ۔"

"پھر وہ بدمعاش ہمارے گاؤں کا نہ ہوگا، ہمارے گاؤں والے تو ہر کام مکمل انجام دیتے ہیں۔!"

بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا

ایک دن مُلّا کے چھوٹے بچے گھر کے سامنے والی سڑک پر کھیل رہے تھے۔ مُلّا بھی قریب بیٹھے ہوئے اُن کی نگرانی کر رہے تھے۔ اتفاق سے کسی راہ گیر نے ایک بچے کو بُلا کر مذاقاً پوچھا۔

"بیٹے! تم بتا سکتے ہو، بینگن کسے کہتے ہیں؟"

بچے نے فوراً جواب دیا "بس یوں سمجھیے کہ ایک گہرے نیلے رنگ کا بھینس کا بچہ جس نے ابھی آنکھیں نہ کھولی ہوں۔"

مُلّا یہ جواب سُن کر انتہائی خوش ہوئے۔ دوڑ کر اپنے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور چمٹا کر خوب پیار کیا پھر راہ گیر سے مخاطب ہو کر بولے "سنا آپ نے جواب ہمارے بیٹے کا۔ یہ اس نے خود ہی دیا ہے میں نے نہیں

سکھایا اِس کو ——!"

جیسے کو تیسا

ایک دن مُلا نصرالدین اپنے مکان کی چھت
پر بیٹھے کوئی کام کر رہے تھے کہ مکان کے
دروازے پر ایک فقیر نے دستک دی اور مُلا
کو دیکھ کر انھیں نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ مُلا
اپنا کام چھوڑ کر نیچے گئے اور فقیر کے پاس
جاکر اُس سے کام پوچھا۔ فقیر نے کہا۔
"اللہ کے نام پر کچھ مدد کرو میں غریب
آدمی ہوں"
مُلا سخت برہم ہوئے اور فقیر سے بولے۔
"یہی بات تم مجھے نیچے بُلائے بغیر بھی کہہ
سکتے تھے——؟"
"مجھے شرم آرہی تھی" فقیر نے جواب دیا۔
"جھوٹے وقار کا مظاہرہ نہ کرو، چلو میرے
ساتھ اُوپر!" پھر مُلا اُوپر چلے گئے۔ اور فقیر
بھی پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔ مُلا نے اُوپر پہنچ کر
اپنا کام شروع کر دیا اور سر اُٹھا کر فقیر سے

کہہ دیا۔" بابا! معاف کرو!"

دیکھنا کیا گرا؟

ایک دن کا ذکر ہے کہ مُلا کے کمرے سے
بڑے زور کی آواز آئی مُلا کی بیوی دوڑی ہوئی
کمرے میں گئی اور دریافت کیا" یہ دھماکا کیسا
ہُوا؟"
"کوئی بات نہیں میرا جبّہ گر پڑا تھا"
"مگر جبّے کی اتنی زبردست آواز——؟"
"ہاں اتفاق سے اس وقت میں اسے پہنے
ہُوئے تھا!"

قیامت

مُلا نصرالدین کے پاس ایک دُنبہ تھا جو بڑا
تندرست تھا۔ پڑوسی اُس کو ہمیشہ للچائی نظروں
سے دیکھتے اور مُلا سے کہتے تھے۔
"اس کا پلاؤ بہت اچھا پکے گا۔ اس میں
چکنائی بہت ہے"
مُلا ان لوگوں کو ہمیشہ جھڑک دیتے تھے۔ ایک

دن اُن کے تمام پڑوسی آپس میں صلاح مشورہ
کرکے مُلّا کے پاس آئے اور اُن سے بولے۔
"مُلّا! چوبیس گھنٹوں کے اندر قیامت آنے
والی ہے۔ اب اس دُنبہ کو رکھنا بے سُود ہے۔
بہتر ہے کہ ہم لوگ پکا کر کھالیں۔" مُلّا راضی
ہوگئے چنانچہ دُنبہ ذبح ہُوا۔ بریانی پکی اور سب
نے شکم سیر ہوکر کھائی۔ کھانا کھا کر سب
لوگ اپنے کوٹ اور صدریاں اُتار کر لیٹ
گئے اور تھوڑی دیر میں ان کی آنکھ لگ گئی
جب سب لوگ بے خبر سوگئے تو مُلّا چپکے
سے اُٹھے سب کے کوٹ اور دُوسرے کپڑے
ایک جگہ ڈھیر کیے اور ان میں آگ لگا دی
پڑوسی سوکر اُٹھے تو اپنے تمام کپڑے جلے
ہُوئے پائے اور بہت ناراض ہُوئے۔ مُلّا نے
جواب دیا۔
"بھائیو! اس میں خفگی کی کون سی بات
ہے۔؟ کل قیامت آنے والی ہے۔ کپڑوں کی
کیا ضرورت پڑے گی؟"

شرمندۂ خواب

ایک مرتبہ مُلّا نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص
انھیں اس طرح روپے دے رہا ہے کہ مُلّا اپنا
ہاتھ پھیلائے ہُوئے ہیں اور وہ ایک ایک روپیہ
ڈالتا جارہا ہے۔ وہ جب نو روپے دے چکا تو
اُس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ مُلّا نے چیخ کر کہا۔
"ارے بھائی دس تو پُورے کر دے ——!"
یہ بات اُنھوں نے اتنی زور سے کہی کہ ان کی
آنکھ کھُل گئی۔ اب اُنھوں نے اپنے ہاتھ دیکھے
تو خالی تھے بس پھر کیا تھا۔ جلدی سے آنکھ
بند کرلی اور کہنے لگے "بھائی مجھے نو ہی دے دے
میں باقی ایک کا تقاضا نہ کروں گا۔"

دخل درمعقولات

ایک دفعہ مُلّا کے ایک پڑوسی کا بیل بے تحاشا
بھاگا اور اس نے مُلّا کے مکان کی خوبصورت
باڑ روند ڈالی۔ مُلّا اپنا کوڑا لے کر اس کے پیچھے
دوڑے۔ اتفاق سے بیل جب اپنے گھر کے قریب

پہنچ گیا تھا تب مُلّا کا کوڑا اس پر پڑا۔ پڑوسی
نے مُلّا کو کوڑے سے مارتے دیکھا تو بولا۔
"آپ میرے بیل کو کیوں مار رہے ہیں؟"
نصرالدین نے جواب دیا
"خواہ مخواہ دخل در معقولات نہ کریں۔ میں جس
کو مار رہا ہوں اس کو مارنے کی وجہ معلوم ہے۔
میرا اس کا معاملہ ہے آپ بیچ میں بولنے والے
کون؟"

بےپردہ

جب مُلّا نصرالدین کی شادی ہوئی اور اُنھوں
نے پہلے پہل اپنی دُلہن کو دیکھا تو انہیں بڑا
رنج ہوا کیونکہ ان کی دُلہن بڑی بدشکل تھی۔
ابھی وہ اپنے غم میں مبتلا ہی تھے کہ دُلہن
نے ان سے سوال کر دیا۔
"میرے سرتاج! مجھے بتائیے کہ میں کس
کس سے پردہ کروں اور کس کس کے سامنے آؤں؟"
"تمھاری مرضی جس کے سامنے جاؤ لیکن
خدارا جہاں تک ممکن ہو میرے سامنے نہ آؤ۔"

جان بچی لاکھوں پائے

نصرالدین جب ہندوستان میں تھے تو ان کا
گزر ایک مکان کے سامنے سے ہوا جس کے
دروازے پر ایک سادھو بیٹھا ہوا تھا۔ مُلّا نے
سوچا کہ چلو اس سادھو سے ملاقات کی جائے
یہ بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے بھگوان کی
یاد میں مگن ہے، مجھ میں اور اس میں بہت
سی باتیں ہی ملتی ہیں۔ یہ سوچ کر وہ اس کے پاس
گئے اور اس کی خیریت پوچھی۔ سادھو نے جواب
دیا۔
"میں ایک جوگی ہوں، مجھے دنیا سے کچھ سروکار
نہیں مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا
ہوں اور چرند پرند کی سیوا تو میرا کام ہی ہے"
مُلّا نے کہا۔
"مجھے آپ کے خیالات بے حد پسند آئے ہیں
آپ مجھے اپنا شاگرد بنالیں مجھے بھی چرند پرند سے
بڑی محبت ہے ایک مرتبہ ایک مچھلی نے میری
جان بچائی تھی۔"

سادھو مُلّا کا جواب سُن کر بہت خوش ہُوا اور بولا۔

"پھر تو بڑی خوشی سے آپ میرے حلقے میں شامل ہوجائیں۔ میں نے اپنی عُمر جانوروں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے مگر میرے ساتھ کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی جانور نے میری جان بچائی ہو۔"

اس طرح مُلّا نصرالدین اس جوگی کے چیلے ہوگئے اور جوگی کی بتائی ہوئی حقیقیں اور تپسیا کرنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد جوگی نے مُلّا سے کہا۔

"اب تو ہم تم کافی قریب آچکے ہیں۔ مناسب سمجھو تو اپنی زندگی کا وہ اہم واقعہ سُنادو جب مچھلی نے تمہاری جان بچائی تھی۔" مُلّا بولے "میں اتنا عرصہ تمہارے پاس رہنے اور تمہاری باتیں سُننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اس واقعہ کو سُننے کے اہل نہیں ہو کیوں کہ تم اس کی اہمیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔"

اس پر جوگی بہت افسردہ ہُوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر اس نے مُلّا کے قدموں کے پاس سر رکھ دیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا

"خدا کے لیے مجھے اتنے اہم واقعہ سے محروم نہ کیجیے۔" مُلّا نے کہا۔

"نہیں مانتے تو سُنو۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں سخت پریشانی کے عالم میں تھا کئی فاقے گزر چکے تھے۔ اتفاق سے ایک دوست ایک مچھلی لے کر آگئے میں نے فوراً اسے جلدی جلدی بھونا اور اس کو کھا کر ہلاک ہونے سے بچ گیا۔"

مرحومہ کی یاد

ایک دفعہ مُلّا کی بیوی اُن سے کسی بات پر سخت ناراض ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ مُلّا کو مزہ چکھایا جائے۔ چنانچہ اس نے ہڈیوں کا شوربا، جو مُلّا روزانہ صبح پیتے تھے، کھولتا ہُوا اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا کہ ان کا مُنہ جلنے لگا تو مزہ آئے گا اور پھر کبھی وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں گے مگر مُلّا نے اس کو پاس بٹھا کر باتوں میں لگا لیا اور وہ ایک لمحے کے لیے بھول گئی کہ شوربا گرم

ہے۔ چنانچہ جب مُلّا نے مُحبّت سے اس کو شوربا
پینے کو کہا تو وہ پیالہ اُٹھا کر پینے لگی لیکن
جیسے ہی شوربا ہونٹوں سے لگا، اس نے جھٹ
میز پر رکھ دیا تاہم اس کی آنکھوں میں آنسو
آ گئے۔ مُلّا نے آنسو دیکھ کر پوچھا۔
"یہ آنکھوں میں آنسو کیسے؟"
"کچھ نہیں! ذرا اماں مرحومہ یاد آ گئی تھیں
وہ بھی خدا بخشے اسی طرح شوربا پیا کرتی
تھیں۔"
اب مُلّا نے پیالہ اُٹھا کر خود بھی ایک
گھونٹ پیا تو اُن کا منھ جل گیا اور آنکھوں
سے آنسو بہہ نکلے اس پر بیوی نے پوچھا
"خیر تو ہے یہ رو کیوں رہے ہو؟" مُلّا نے
جواب دیا۔
"اس بات پہ رو رہا ہوں کہ تمھاری ماں
خود تو مر کر جنت کو سدھار گئیں مگر تم کو
زندہ چھوڑ کر میری زندگی جہنم بنا گئیں۔"

صحیح تعارف

ایک مرتبہ کچھ لوگ بدحواسی کے عالم میں
بھاگتے ہُوئے مُلّا کے پاس پہنچے اور ان سے
کہا۔
"غضب ہوگیا! تمھاری ساس دریا میں ڈوب
گئی۔ جلدی چلو ورنہ پانی کے بہاؤ میں اس کی
لاش تک کا پتا نہ چلے گا۔"
مُلّا نے جو یہ سُنا تو فوراً دریا کی طرف
دوڑ پڑے اور ساحل پر پہنچتے ہی دریا میں
چھلانگ لگا دی۔ مگر پانی کے بہاؤ کے رُخ پر
تیرنے کے بجائے مُخالف سمت میں تیرنے لگے
لوگوں نے جب انھیں ٹوکا تو بولے۔
"تم لوگ نہیں جانتے! میں اپنی ساس کو اچھی
طرح پہچانتا ہوں۔ ساری دنیا جب پانی کے بہاؤ
کے رُخ پر ہوگی تو وہ مخالف سمت میں یقیناً
تیر رہی ہوں گی۔"

مرنے کے بعد

ایک دفعہ مُلّا نصرالدین کسی قبرستان میں سیر
گشتی کر رہے تھے کہ اچانک ایک خستہ حال قبر
پر سے ان کا گزر ہُوا اور قبر دھنس گئی۔ مُلّا بھی

اس کے ساتھ ہی قبر کے اندر سما گئے۔ انھوں
نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگے کہ دیکھیں
مرنے کے بعد کیسا لگتا ہے؟ اسی دوران کہیں
سے شوروغل کی آواز سنائی دی۔ مُلّا سمجھے کہ
منکر نکیر سوال جواب کے لیے آنے والے ہیں
مگر حقیقت یہ تھی کہ قبر کے پاس سے اونٹوں
کا قافلہ گزر رہا تھا۔ مُلّا نے جونہی منکر نکیر کا
تصوّر کیا، ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ
فوراً اچھل کر قبر سے باہر نکل آئے اور بھاگ
کر ایک دیوار پر بیٹھ گئے۔ ان کی اس اچھل
کود سے اونٹ بھاگنے لگے اور قافلے میں ایک
افرا تفری پھیل گئی۔ اس پر قافلے والے بہت
برہم ہوئے اور انھوں نے مُلّا کے دو تین لکڑیاں
جڑ دیں۔ مُلّا بے چارے مار کھا کے سیدھے گھر کی
طرف بھاگے۔ بیوی نے جو ان کی بُری حالت
دیکھی تو پوچھا "کیا بات ہے ___ اتنی دیر کہاں
لگا دی؟"

"میں آج مر گیا تھا،" مُلّا نے جواب دیا۔
"موت کیسی ہوتی ہے؟" بیوی نے مزہ لیتے

ہوئے پوچھا
"بُری تو نہیں ہوتی ___ البتہ شرط یہ ہے کہ
اونٹ گڑبڑ نہ کریں ورنہ فرشتے بڑی سزا دیتے
ہیں۔"

جلدی اٹھنا

مُلّا نصرالدین کے والد نے کہا "بیٹے۔ صبح جلدی
سو کر اٹھنا چاہیے۔"
"کیوں، ابّا جان؟"
"یہ بڑی اچھی عادت ہے ___ ایک مرتبہ میں صبح
سویرے اٹھ کر ٹہلنے کے لیے نکلا تھا تو راستے
میں مجھے سونے سے بھری ہوئی تھیلی پڑی ملی
تھی۔"
"کسی کی گر گئی ہو گی، اس غریب کا نقصان ہوا
اور آپ کا فائدہ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی"
"نہیں نصرالدین یہ بات نہیں ہے، میں نے رات
خود دیکھا تھا، وہاں کوئی تھیلی نہیں تھی"
"مگر ضروری تو نہیں کہ جو صبح جلدی اٹھے اس
کو سونے کی تھیلی مل جائے۔ ممکن ہے جس کی

گری ہو وہ آپ سے پہلے وہاں چہل قدمی کے
لیے گیا ہو!"

حقیقی خوشی

نصرالدین ایک سڑک پر چلے جا رہے تھے کہ
ایک کنارے ایک آدمی نظر پڑا جو مصیبت زدہ معلوم
ہوتا تھا۔ مُلّا اپنی عادت سے مجبور تھے وہ اس کے
پاس پہنچ گئے اور اس سے وجہ پوچھنے لگے۔ اس
نے کہا۔

"بھائی! یہ دنیا بڑی خراب جگہ ہے یہاں
کوئی آدمی سُکھی نہیں۔ مجھے اللہ نے روپیہ پیسہ
مال و دولت سبھی کچھ دے رکھا ہے لیکن دل بجھا
بجھا سا رہتا ہے اس لیے میں خوشی کی تلاش میں
گھر سے نکلا ہوں۔"

آدمی ابھی اپنی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ
مُلّا اس کی گٹھری اٹھا کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ مسافر
نے کچھ دور تک ان کا پیچھا کیا لیکن مُلّا بھلا
کہاں پکڑ میں آنے والے تھے۔ وہ راستے سے
واقف تھے گلیوں کی بھول بھلیوں میں چکر کاٹ
کر غائب ہو گئے مگر تھوڑی ہی دیر بعد گٹھری
لے کر دوبارہ اس مسافر کے ٹھکانے سے تھوڑے
فاصلے پر پہنچے۔ گٹھری بیچ سڑک میں رکھ دی اور
خود ایک جھاڑی میں چھپ کر اس کی حفاظت
کرنے لگے۔ مسافر کی نظر جیسے ہی اپنی گٹھری
پر پڑی وہ اس کی طرف دوڑ پڑا اور اس کو
پاکر خوشی سے پھولا نہ سمایا اب مُلّا اپنی کمین گاہ
سے نکلے اور مسافر کے پاس پہنچ کر بولے
"یہ بھی ایک طریقہ ہے خوشی حاصل کرنے کا---!"

سمندر کا جاہ جلال

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین سمندر کے کنارے پہنچے
سمندر کی لہریں بڑے طوفانی انداز میں اُٹھ رہی
تھیں مُلّا اس کی قوت اور شان و شوکت دیکھ
کر بہت متاثر ہوئے پانی کا نیلا رنگ اور لہروں
سے نکلنے والا سفید جھاگ انھیں بہت پسند آیا
پانی چھونے کے شوق میں وہ اس کے قریب
آگئے پھر ایک چلّو بھر کر پیا اور اس کا کھاری
مزہ چکھ کر منہ بنایا اور کہنے لگے۔

"لاحول ولا قوۃ! دیکھنے میں تو اتنی شان و شوکت ہے مگر اس کی اصل اس قدر کڑوی۔"

تقسیمِ کار

ایک مرتبہ مُلّا بحری جہاز پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ جہاز پر کپتان اور عملہ کے ایک آدمی کے علاوہ چوتھا آدمی نہ تھا۔ اچانک سمندر میں طوفان آگیا اور جہاز اس میں پھنس گیا۔ جب کپتان اور عملے کا آدمی جہاز کو طوفان سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کر چکے اور کوئی کامیابی نہ ہوئی تو وہ سجدے میں گر پڑے اور اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگنے لگے۔ مُلّا اُن کے پاس ہی سیدھے کھڑے رہے۔ کپتان نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا مُلّا بڑے اطمینان سے کھڑے ہیں۔ کپتان بے چارہ بہت پریشان تھا اس لئے مُلّا سے کہا۔ "محترم آپ بزرگ ہیں دعا کیجیے کہ خدا جہاز کو طوفان سے نکال دے۔ شاید آپ ہی کی دعا قبول ہو جائے۔"

"جی نہیں!" مُلّا نے جواب دیا "یہ میرا کام نہیں ہے۔ جہاز کی حفاظت سراسر آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ میں تو مسافر ہوں۔"

اِحتیاط

ایک عورت سے مُلّا نصیرالدین کی بیوی کی بڑی دوستی تھی۔ وہ اکثر مُلّا کے گھر آتی اور گھنٹوں بیٹھی رہتی اکثر کھانا بھی وہیں کھالیتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مُلّا کوئی کھانے پینے کی چیز بازار سے لائے تو بیوی نے وہ چیز اس کو کھلادی۔ ایک مرتبہ مُلّا نے بیوی سے پوچھ ہی لیا میں جو چیزیں لاتا ہوں، وہ آخر کہاں چلی جاتی ہیں؟

بیوی نے جواب دیا "بلی کھا جاتی ہے۔"

مُلّا نے جو یہ جواب سنا تو فوراً دوڑے ہوئے گئے اور اپنی کلہاڑی اٹھا کر بکس میں رکھ آئے۔ اس پر بیوی کو بڑا تعجب ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ مُلّا نے کلہاڑی بکس میں کیوں رکھ دی بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا تو مُلّا نے جواب دیا۔

"نیک بخت! میں نے کلہاڑی اس لیے چھپادی ہے کہ اس کی قیمت کھانے پینے کی چیزوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جب بلی سستی چیزیں نہیں چھوڑتی تو یہ مہنگی چیز بھلا کب چھوڑنے لگی!"

وقت کی کمی

ایک مرتبہ مُلّا نے ایک گدھا خریدا۔ مالک نے گدھا بیچتے وقت مُلّا کو بتایا کہ اس کی خوراک زائد ہے، اسے کم نہ کرنا۔ مُلّا نے جواب دیا "قبلہ آپ فکر نہ کریں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ خوراک تو ہمارے ہاتھ میں ہے، خواہ کم کریں یا زیادہ ـــــ!"

یہ کہہ کر مُلّا گدھا اپنے گھر لے گئے اور اُسے بتائی ہوئی مقدار میں خوراک دینی شروع کی لیکن آہستہ آہستہ کم کرنے لگے۔ خوراک کم ہونے سے گدھا کمزور ہونے لگا اور آہستہ آہستہ ایک دن ایسا بھی آیا جب اس کی خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی اب وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ آخر کچھ دنوں بعد گدھا چل ہی بسا۔ گدھے کی موت پر مُلّا کہنے لگے "افسوس! تمھاری عمر نے وفا نہ کی ورنہ میں تمھیں بغیر خوراک کے زندہ رہنے کا عادی بنا لیتا!"

پیٹ کے درد کا علاج

ایک مرتبہ نصرالدین اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کو گئے۔ ابھی وہ اس کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ ڈاکٹر نے پہلے اچھی طرح اس کو دیکھا پھر اس سے کہنے لگا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ دو ایک دن میں ٹھیک ہوجائیں گے البتہ ایک خیال رکھیے گا کہ آیندہ کچے سیب نہ کھائیے گا۔" مُلّا کو اتنی صحیح وجہ بیان کرنے پر بڑا اچنبھا ہوا۔ انھوں نے ڈاکٹر سے پوچھ ہی لیا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ کیسے بتا دیا کہ میرے دوست نے کچے سیب کھائے ہیں؟"

"یہ کون سی مشکل بات ہے" ڈاکٹر نے جواب دیا "آپ موقع محل کا بھانپنا سیکھ لیں تو آپ بھی میری طرح بتانے لگیں گے دیکھیے جب میں

مریض کے کمرے میں داخل ہُوا تو میں نے
اس کی چار پائی کے نیچے سیب کے کچھ
چھلکے پڑے دیکھے۔ بس میں سمجھ گیا کہ یہ
ضرور مریض ہی نے کھائے ہیں۔" نصرالدین نے
ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر کی راہ لی۔
کچھ ہی دنوں کے بعد مُلّا کے ایک دوست
کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اُسے دیکھنے پہنچے
تو اس کی بیوی نے بتایا کہ انہیں پیٹ کا درد
ہے۔ مُلّا نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور کمرے
کے ایک کونے میں گھوڑے کا ساز رکھا دیکھ
کر اُس سے کہا۔
"گھبرانے کی کوئی بات نہیں، مریض دو ایک
دن میں ٹھیک ہوجائے گا —— البتہ اس بات کا
خیال رکھیے کہ آیندہ یہ گھوڑے کی زین اور لگام
وغیرہ کھانے نہ پائیں ——!"

خوشامد سے آمد

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین نے سر پر ایک بڑی
اور خوبصورت پگڑی باندھی اور شاہی دربار میں
حاضر ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ بادشاہ کو یہ پگڑی
پسند آجائے گی اور وہ منہ مانگے داموں خرید لے
گا۔ ان کا خیال درست ثابت ہُوا۔ بادشاہ نے مُلّا
کو دیکھتے ہی پُوچھا۔
"مُلّا! اتنی شاندار پگڑی تُم نے کتنے میں خریدی؟"
"عالی جاہ ایک ہزار دینار میں!"
بادشاہ کا وزیر یہ باتیں سن رہا تھا۔ وہ بیچ
میں بول پڑا۔
"عالم پناہ! اس پگڑی کے ایک ہزار دینار
تو کوئی احمق ہی دے سکتا ہے!"
وزیر کی بات بادشاہ کی سمجھ میں آگئی وہ
کہنے لگا۔
"ہاں مُلّا! وزیر ٹھیک ہی تو کہتا ہے،
پگڑی کے اتنے دام تو آج تک ہم نے نہیں
دیئے۔ تم نے اتنی مہنگی پگڑی کیوں خریدی؟"
"جی عالم پناہ! میں نے یہ سوچ کر پگڑی
خریدی کہ دنیا کے شہنشاہوں میں ایک صرف
حضور کی ذات گرامی ہے جو اتنی قیمتی چیز
خرید سکتی ہے!" مُلّا نے جواب دیا۔

بادشاہ نصیرالدین کی یہ بات سُن کر بے انتہا
خوش ہُوا۔ اس نے اسی وقت حکم دے
دیا کہ مُلّا کو دو ہزار دینار دے دیے جائیں اور
پگڑی خرید لی جائے۔ جب پگڑی کا سودا ہو گیا
تو مُلّا وزیر کے پاس گئے اور اس سے بولے۔
"ممکن ہے تمھیں پگڑیوں کی قیمتیں معلوم ہوں
لیکن مجھے بادشاہوں کی کمزوریاں معلوم ہیں۔
کیا سمجھے جناب!"

تلوار کی مدد

"کدھر مُلّا جی ——؟"
"ذرا شہر تک جا رہا ہوں۔"
"ارے کہاں کیا آپ لے۔ خچر لے کر نہ
جائیے راستا سنسان ہے کوئی بھوکا اُچکا مل گیا
تو خچر چھین لے جائے گا۔ اسے یہیں اصطبل میں
باندھ جائیے۔"
مُلّا نے پہلے تو سوچا کہ خچر چھوڑ جائیں لیکن
فوراً ہی خیال آیا کہ اصطبل سے بھی تو چوری
ہو سکتی ہے؟ اس لیے لے جانا ہی بہتر ہے۔
اس طرح پیدل سفر سے بچ جائیں گے۔ یہ سوچ
کر وہ خچر پر ہی چل دیے دوست نے جب
دیکھا کہ وہ نہیں مانتے تو احتیاطاً اپنی تلوار
دے دی تاکہ مُلّا کسی ناخوشگوار موقع پر اپنی حفاظت
کر سکیں۔ چلتے چلتے مُلّا ایک سنسان راستے پر پہنچے
تو انھیں ایک آدمی اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔
وہ سمجھ گئے کہ یقیناً یہ کوئی بدمعاش ہے اور
خچر چھیننے آرہا ہے چنانچہ وہ تیار ہو کر بیٹھ گئے
جونہی وہ راہ گیر ان کے قریب پہنچا مُلّا نے
اسے روک کر کہا۔
"بھائی تم چاہو تو یہ تلوار لے لو لیکن میرا
خچر میرے پاس رہنے دو۔"
وہ آدمی پہلے تو ڈرا لیکن اُن کے اصرار پر
اس نے تلوار قبول کر لی اور اپنی خوش قسمتی پر
ناز کرتا اپنے رستے پر چل دیا۔ مُلّا جب شہر سے
واپس اپنے گاؤں پہنچے تو وہی دوست مل گیا
جس نے انھیں تلوار دی تھی۔ مُلّا بولے۔
"یار تم ٹھیک کہتے تھے۔ تلوار بہت کام
آئی تمھاری تلوار سے نہ صرف ہماری جان بچ

گئی بلکہ پتھر بھی بچ گیا۔"

دُور اندیشی

ایک زمانے میں مُلّا نصرالدین کسی رئیس کے یہاں باہر کے کام پر مُلازم تھے۔ رئیس کو مُلّا سے شکایت تھی کہ وہ بہت سُست رو ہیں، بازار سے تین انڈے بھی منگاتا ہوں تو تین مرتبہ بازار جاتے ہیں اور ایک ایک کرکے لاتے ہیں۔ رئیس نے بار بار انھیں نصیحت کی تو مُلّا کو احساس ہُوا اور انھوں نے اپنی اِصلاح کی ٹھان لی۔

ایک مرتبہ رئیس کے پھوڑا نکل آیا۔ اس نے مُلّا سے ڈاکٹر لانے کو کہا تو مُلّا بڑی تیزی سے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کو لے کر واپس لوٹے تو اُن کے ساتھ بہت سے دُوسرے آدمی بھی تھے۔

رئیس نے مُلّا سے پُوچھا "یہ اتنے بہت سے آدمی کیوں آئے ہیں؟"

"حضور میں اِنھیں اِحتیاطاً لیے آیا ہوں۔ ہوسکتا

ہے کہ ڈاکٹر پھوڑے پر پلٹس باندھنے کو کہے تو یہ پلٹس بنانے والا آدمی ہے۔ دو اس کے نائب ہیں، ایک عطّار ہے جو پلٹس کی دوائیں مہیا کرے گا، ایک کوئلے والا ہے جو پانی گرم کرنے کے لیے فوری طور پر کوئلہ فراہم کردے گا۔ سب سے پیچھے والا آدمی کفن دفن کا انتظام کرتا ہے، خُدا نخواستہ آپ نہ بچ سکے تو اس کا بھی بندوبست ہوجائے گا۔"

کردار اور گُفتار

ایک دن مُلّا چائے خانے میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ اِتفاق سے اس وقت وہاں کوئی مُسافر بھی آیا ہُوا تھا جو اپنے عالمی دورے پر تھا اور کئی ملکوں میں گھوم کر مُلّا کے گاؤں پہنچا تھا۔ گاؤں کے بے شمار آدمی چائے خانے میں اکٹھے تھے اور بڑی دل چسپی سے مُسافر کی باتیں سُن رہے تھے۔ اِتفاق سے کسی آدمی نے مُسافر کو کسی بات پر ٹوک دیا۔ اس کو غصّہ آگیا، اس نے جیب سے ڈائری نکالی اور میز پر

ٹپکتے ہوئے بولا۔

"آپ کو یقین نہیں آتا تو لیجیے، یہ ڈائری پڑھ لیجیے۔ میں نے اس میں اپنے ہاتھ سے یہ باتیں لکھی ہیں!"

گاؤں والے بھلا کیا پڑھتے —— ان میں سے ایک بھی تو پڑھا لکھا نہ تھا۔ سب کے سب خاموش ہو گئے اور مسافر سے داستان جاری رکھنے کی درخواست کی۔

کچھ دنوں کے بعد مُلا کی رگِ شرارت پھڑکی وہ اسی چائے خانے میں پہنچے اور لوگوں کو مخاطب کر کے بولے "آپ میں سے کوئی صاحب مکان خریدنا چاہتے ہیں؟"

چائے خانے میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک بولا "اجی حضرت! یہ کون سا مکان بیچ رہے ہیں؟ آپ کے پاس اپنا تو کوئی مکان نہیں ہے؟"

مُلا نصیرالدین نے اپنی آواز اونچی کرتے ہوئے کہا "کردار میں گفتار سے زیادہ قوت ہوتی ہے!"

یہ کہہ کر مُلا نے اپنے جبّے کی نچلی جیب سے ایک اینٹ نکالی اور میز پر ٹپکتے ہوئے بولے۔ "یہ ہے میرے مکان کی ایک اینٹ! اس کو خوب اچھی طرح دیکھ لیجیے۔ مکان اسی اینٹ کا بنا ہوا ہے اور میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے"

پرایا خط

مُلا نصیرالدین پڑھنا لکھنا کچھ واجبی سا جانتے تھے لیکن گاؤں والوں میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے مانے جاتے۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی ان کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک خط لکھنے کے لیے کہا۔ مُلا نے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن دیہاتی نہ مانا تو اس کے اصرار پر۔ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے اور خط لکھنا شروع کر دیا۔ جب خط لکھ چکے تو دیہاتی نے کہا۔ "مُلا صاحب۔ ایک مرتبہ پڑھ کر تو سنا دیجیے، شاید کوئی بات چھوٹ گئی ہو تو وہ بھی لکھوا دوں۔"

مُلا نے لکھنے کو تو خط لکھ دیا تھا لیکن اس

کا پڑھنا ایک وبال تھا۔ تحریر کیا تھی بیچ وتاب بنے ہوئے تھے آخر مُلّا نے کچھ دیر تک تحریر کو گھورا پھر بڑی مشکل سے اتنا پڑھ پائے "پیارے بھائی السلام علیکم!"

اس کے بعد وہ چُپ ہوگئے۔ دیہاتی نے ٹوکا "آگے کیا لکھا ہے؟"

مُلّا بولے "آگے لکھا ہے ——— پیلا ——— نہیں نہیں پہلا ——— کالو ——— نہیں بھائی نہیں پہلا کام..."

جب مُلّا بالکل نہ پڑھ سکے تو بولے۔

"آپ بھی کیا غضب کرتے ہیں! بھائی کسی دوسرے کا خط ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے۔ لیجیے لے جائیے اپنا خط"

کام کی بات

ایک مرتبہ مُلّا اپنے ایک شاگرد کے ساتھ کسی دوسرے شہر جا رہے تھے۔ دونوں نے درویشوں کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ کھانے کا وقت آتا تو وہ کسی بڑے مکان کے قریب پہنچ جاتے، اہلِ خانہ کو دُعائیہ طریقے پر دُعائیں دیتے اور ان سے کھانا طلب کرتے۔ لوگ ان کے حلیہ اور بزرگی سے بہت متاثر ہوتے اور اچھی سے اچھی غذائیں کھلاتے۔

دونوں کا کھانے کا طریقہ مختلف تھا۔ مُلّا تو خوب پیٹ بھر کر کھا لیتے اور جی بھر کر سو جاتے لیکن ان کا شاگرد صرف تھوڑا سا کھانا کھاتا، اوپر سے پانی پیتا، ٹہلتا، بیٹھتا، پیٹ کو ہلاتا، پھر پیتا۔ پھر دو چار بار ٹہلتا۔ تھوڑا سا کھا کر پھر پانی پیتا اور کھانے بیٹھ جاتا۔ پھر ٹہلتا، کودتا۔ اس طرح کئی بار میں وہ اپنی خوراک مکمل کرتا۔ اس دوران مُلّا سوتے ہوتے۔

ایک دن اتفاق سے مُلّا کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے شاگرد کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا، انھوں نے شاگرد سے پوچھا "میاں۔ تم اس طریقے سے کھانا کیوں کھاتے ہو ———؟"

شاگرد نے جواب دیا "مُلّا صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک وقت بہت سا کھانا نہیں کھا سکتا اس لیے تھوڑا کھا کر اوپر سے پانی پیتا ہوں جس سے وہ کھانا معدے میں بیٹھ جاتا ہے

اور کافی جگہ ہوجاتی ہے پھر تھوڑا کھاتا ہوں
اور پانی پیتا ہوں اس سے کھانے کی دوسری
تہہ بیٹھ جاتی ہے۔ اس طرح میں کھانے کی بہت
سی تہیں بٹھا لیتا ہوں اور یوں زیادہ کھانا
کھا لیا جاتا ہے۔"

ملا بہت ناراض ہوئے پاؤں سے جوتی
اتار کر شاگرد کے دو تین جڑ دیں پھر بولے۔
"ارے نالائق! اتنے کام کی بات تو نے آج
تک مجھے نہ بتائی۔ افسوس کتنے رزق سے تو نے
مجھے محروم رکھا!"

کمی

ایک دفعہ شہنشاہ شکار کھیلنے کے لیے نکلا
تو ملا نصیرالدین کے گاؤں سے گزرا۔ ملا اپنے
چائے خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ
کر شہنشاہ چائے خانے کے قریب رک گیا اور
بولا۔
"ملا! میں شکار پر جا رہا ہوں، تم ایسا کرو
کہ چھ انڈے کا آملیٹ بنوا دو تاکہ وہ بھی ساتھ
رکھ لوں۔ پتا نہیں کب تک واپسی ہو۔"
ملا نے جھٹ آملیٹ بنوا کر شہنشاہ کے ہمراہیوں
کے حوالے کر دیا۔ شہنشاہ نے قیمت پوچھی تو ملا
نے کہا۔ "تین ہزار دینار! عالی جاہ!!"
شہنشاہ نے اتنی قیمت سنی تو چونک پڑا اور
تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔ "ہائیں! اتنی قیمت
کیا انڈوں کی یہاں بہت کمی ہے ---؟"
"عالم پناہ! انڈوں کی تو کمی نہیں ہے البتہ
بادشاہوں کے آنے کی کمی ہے --- وہ تو
کبھی کبھی آتے ہیں!"

دفینے

ایک مرتبہ بادشاہ نے نصیرالدین کو تعینات
کیا کہ وہ ملک کے کونے کونے میں جا کر
بزرگانِ دین اور صوفیاء کے بارے میں معلومات
اکٹھا کریں۔ ملا حسبِ ہدایت شہر شہر اور گاؤں
گاؤں پھرے اور ہر چھوٹے بڑے آدمی سے
گزرے ہوئے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی
باتیں، ان کی کرامات اور فیضان کے بارے میں

معلومات حاصل کیں۔ واپس آئے تو بادشاہ کی خدمت میں رپورٹ پیش کی مگر اس میں صرف ایک لفظ لکھا تھا وہ لفظ تھا "گاجر ___!"

بادشاہ اسے پڑھ کر بہت متعجب ہوا۔ اس نے فوراً مُلا کو طلب کیا اور مُلا نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "حضور! گاجر کا مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے حالات کا بہترین حصہ تو زمین کے اندر دفن ہے جس طرح سبز پتے باہر ہونے سے گاجر کا حال کسان کو معلوم ہوتا ہے، اسی طرح زمین سے دفینے نکالنے کے لیے ایک بڑی تعداد میں گدھے درکار ہیں!"

حاضر دماغی

ایک مرتبہ مُلا نصر الدین اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئے۔ دونوں نے طے کیا کہ ایک ہی پلیٹ میں کھائیں گے۔ اس طرح سستا پڑے گا اور کچھ پیسے بچ جائیں گے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کیا چیز منگوائی جائے جو دونوں کو پسند ہو۔ مُلا کہہ رہے تھے

...اُن کا دوست بضد تھا کہ بُھنا ہوا گوشت ... سبزی کھاؤں گا۔

کافی بحث مباحثے کے باوجود دونوں کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے چنانچہ مُلا نے اپنی بھوک سے مجبور ہو کر شکست تسلیم کر لی اور سبزی پر راضی ہو گئے۔ مگر سبزی کا آرڈر دینے کے بعد ہی مُلا کے دوست کی حالت اچانک بگڑنے لگی اور وہ ہوٹل کی بینچ پر لیٹ گیا۔ مُلا فوراً کھڑے ہو گئے اور ایک طرف کو لپکے۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا "کیا آپ ڈاکٹر کو بلانے جا رہے ہیں؟"

مُلا بولے: "اجی نرے احمق ہیں آپ۔ میں یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ سبزی کی جگہ بُھنا گوشت آ سکتا ہے یا نہیں؟"

دِنوں کی قسمیں

ایک آدمی نے مُلا سے پوچھا: "آج کون سا دن ہے ___؟"

مُلا نے جواب دیا "معاف کیجیے گا مجھے نہیں

معلوم ——— میں اس علاقے میں نیا نیا آیا ہوں پتا نہیں یہاں دنوں کا کیا حساب ہے"۔

چوتھا عقلمند

ایک مرتبہ مُلّا نصرالدین کسی ریگستان سے گزر رہے تھے۔ جہاں ہُو کا عالم تھا۔ وہ یکہ و تنہا اپنی دُھن میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک انھوں نے تین عرب بدّوؤں کو ننگی تلواریں لیے آتے دیکھا۔ وہ لوگ باہم بحث و تکرار کر رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ عنقریب ایک دُوسرے پر حملہ آور ہوجائیں گے۔ مُلّا ان کے قریب جانا تو نہیں چاہتے تھے لیکن ڈر کے بھاگنا بھی مناسب نہ سمجھا کیوں کہ وہاں کوئی راستہ نہ تھا۔ چاروناچار ان کے قریب پہنچے تو وہ اس بات پر لڑ رہے تھے کہ سامنے والی مسجد کے مینار اتنے اُونچے کیوں کر بنے ——— ؟ ایک کہہ رہا تھا " یہ اللہ کے گھر کے مینار ہیں آپ ہی آپ بن گئے ہیں"

دُوسرا اڑا ہُوا تھا " انھیں کنویں کے اندر تعمیر کر کے باہر نکالا گیا تھا پھر مسجد میں لگایا گیا"

تیسرا بضد تھا " یہ بھی درختوں کی ایک قسم ہیں اور زمین سے اپنے آپ اُگ آئے ہیں"

مُلّا نے تینوں کی بات سننے کے بعد بڑے اطمینان سے فیصلہ دیا " تم تینوں غلط ہو۔ بات یہ ہے کہ اگلے وقتوں میں لوگوں کے قد بہت بڑے ہوتے تھے۔ وہ اتنے اُونچے مینار آسانی سے بنا لیتے تھے"۔

اس جواب سے تینوں بدّو مطمئن ہوگئے اور انھوں نے تلواریں نیام میں رکھ لیں۔

مُصیبت زدہ دوشیزہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ مُلّا گھومتے پھرتے ایک ایسے باغ کے پاس پہنچے جس کی چار دیواری بہت اُونچی تھی۔ مُلّا نے سوچا باغ کے اندر جاکر دیکھا جائے۔ چنانچہ وہ اُچک کر دیوار پر چڑھ گئے اندر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت ہی حسین و جمیل دوشیزہ بیٹھی ہوئی ہے جس کے قریب ایک نہایت بد شکل اور گھناؤنا آدمی بیٹھا

ملا کو اس لڑکی پر بڑا ترس آیا کہ کیسی حور جیسی لڑکی ایک بھیانک دیو کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد انھوں نے ہمت کی اور دوڑ کر بدشکل آدمی پر حملہ کردیا۔ پھر انھوں نے اس انسان نما جانور کے اتنے گھونسے اور لاتیں ماریں کہ وہ درد سے کراہنے لگا۔ اب ملا نے فاتحانہ شان سے اس لڑکی کی طرف دیکھا اور امید کی کہ وہ ان کا شکریہ ادا کرے گی لیکن لڑکی ممنون ہونے کے بجائے ملا سے بہت ناراض دکھائی دی۔

چند لمحوں بعد اور غلام آگئے جنھوں نے مار مار کے ملا کو ادھ مُوا کردیا۔ جب وہ قریب قریب بے ہوش ہوگئے تو انھوں نے ان کو اٹھا کر دیوار کے دوسری طرف پھینک دیا۔ عین اسی وقت ملا نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کی آواز سنی جو اپنے بدشکل عاشق کو پکار پکار کے رو رہی تھی۔ یہ آواز سن کر ملا کے منھ سے بے اختیار نکل گیا "عشق واقعی اندھا ہوتا ہے۔" آخر ملا لنگڑاتے ہوئے گھر روانہ ہوئے اور پھر کبھی ترس کے چکر میں نہ پڑے۔

عجیب شہر

ایک مرتبہ نصرالدین کا اتفاق شہر تونبہ جانے کا ہوا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی انھیں حلوائی کی دکان نظر آئی جہاں گرم گرم جلیبیاں بن رہی تھیں۔ جلیبیاں دیکھ کر اُن کے منھ میں پانی بھر آیا۔ بھوکے تو تھے ہی۔ دکان پر بیٹھ کر جلدی جلدی جلیبیاں کھانے لگے۔ حلوائی نے جو دیکھا تو تیزی سے ان کی طرف دوڑا۔ انھیں دھکا دے کر پیچھے دھکیل دیا اور دو تین ہاتھ بھی رسید کیے۔ وہ یقین نہ کرسکتا کہ ایسا اول جلول آدمی جس کے بدن پر کپڑے بھی صحیح نہ ہوں وہ بھلا پیسے کیا دے سکے گا۔ ملا کو بڑا غصّہ آیا اور وہ حلوائی سے کہنے لگے "یہ کیسا عجیب شہر ہے جہاں آدمی کو کچھ کھاتے دیکھ کر لوگ مارنا شروع کردیتے ہیں!"

روشن ضمیری

ایک مرتبہ نصرالدین کی غیر معلوم صلاحیتوں کی شہرت سن کر بادشاہ نے انھیں طلب کیا اور کہا "تم جانتے ہو میں بڑا ظالم اور سخت بادشاہ ہوں۔ میں نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ تم اپنے عُرفی اور روشن ضمیر ہونے کا ثبوت پیش کرو ورنہ تمھاری جان کی خیر نہیں۔"

نصرالدین نے جواب دیا "حضور اس میں بھی کچھ کلام ہے — میں تو آسمان میں ایک سنہری چڑیا اور زمین کی تہہ میں بھوت پریت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا "زمین ٹھوس ہوتی ہے۔ اس کے نیچے کوئی چیز کس طرح نظر آسکتی ہے اور آسمان اتنا بلند ہے۔ وہاں تک نگاہ کیوں کر پہنچ سکتی ہے؟"

"حضور آپ کے خوف میں سب کچھ ممکن ہے —!" ملا نے برملا جواب دیا۔

فن کے نمونے

بغداد کے خلیفہ کسی زمانے میں ہر سال شاہانہ ضیافت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ جس میں ہزارہا ممتاز شہری شرکت کرتے تھے۔ ایک سال غلطی سے ملا نصرالدین کا نام بھی مدعو کیے جانے والوں میں شامل ہو گیا۔ ملا کھانے پینے کے شوقین تو تھے ہی۔ قبل از وقت ضیافت گاہ میں پہنچ گئے۔ اس دعوت کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں جو طرح طرح کے کھانے پکتے تھے ان کے لیے پچھلے سال کے مقابلے میں بہتر اور لذیذ ہونے کی شرط تھی کیوں کہ اسی سے خلیفہ کی شان اور عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ دعوت سے قبل رقص و موسیقی کا بھی اہتمام کیا جاتا چنانچہ اس مرتبہ بھی یہ سب کچھ تھا۔

ملا کچھ دیر تک رقص و موسیقی سے محظوظ ہوئے لیکن جب کھانے میں زیادہ دیر ہوئی تو ان کا مارے بھوک کے برا حال ہونے لگا

مگر مجبور بیٹھے رہے۔ خدا خدا کرکے کھانے کا
وقت آیا اور مہمان بڑے ہال میں بلائے گئے
جہاں کھانا چُنا ہوا تھا۔
کھانے میں مختلف چیزوں کے علاوہ ہر پانچ
آدمیوں کے بیچ میں ایک مور بھی تھا جو بھُنا
ہوا تھا اور جس میں عمدہ عمدہ مسالے لگے تھے
گوشت کے اوپر کھوپرے اور شکر کے مصنوعی پر
اور چونچ بھی بنی ہوئی تھی۔ کلفی مٹھائی کی
تھی جس پر پتے اور بادام چپکے ہوئے تھے۔ مہمان
اس مور کی ندرت دیکھ کر چپکے چپکے تعریفیں
کررہے تھے کیوں کہ وہ اپنی جگہ فنکاری
کا ایک نمونہ تھا۔ مُلّا کے منہ میں پانی بھرا
آرہا تھا وہ منتظر تھے کہ لوگ کھانا شروع کریں
تو وہ بھی ہاتھ بڑھائیں لیکن ان کی میز والے
باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ جب مُلّا کا پیمانۂ
صبر لبریز ہوگیا تو انھوں نے دوسروں کی پروا
کیے بغیر بسم اللہ کردی اور بولے۔
"بالکل بجا فرماتے ہیں آپ لوگ، واقعی یہ
فن کے اعلیٰ نمونے ہیں لیکن یہ کھانے کی
چیزیں بھی تو ہیں! اور قبل اس کے کہ وہ
ہمیں کھائیں ہم کو خود انھیں کھانا شروع کردینا
چاہیے۔"

بارش کی ترکیب

کسی آدمی نے نصرالدین سے کہا۔
"مُلّا! ہمارا بادشاہ بڑا رحم دل ہے۔ ایک مرتبہ
ہم لوگوں نے گیہوں بویا تو فوراً بارش ہوگئی اور
اس سال فصل نہ ہوسکی۔ بادشاہ کو ہمارے اوپر
ترس آیا۔ اس نے ہمارے نقصان کا معاوضہ سرکاری
خزانے سے ادا کروادیا۔"
مُلّا نے اس آدمی کی بات غور سے سُننے
کے بعد کہا۔ "مگر یار۔ یہ تو بتاؤ بارش کیوں کر
کرائی جاسکتی ہے؟"

بدشگونی

ایک مرتبہ بادشاہ کچھ غصّے میں تھا۔ اسی
حالت میں وہ شکار کے لیے نکل کھڑا ہوا حسبِ
معمول کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ راستے میں

آ گئے ملا نصرالدین نظر آ گئے۔ وہ بہت برہم ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "یہ منحوس کدھر سے سامنے آ گیا — بڑی بدشگونی ہو گئی اب تو شکار ملنا مشکل ہے....؟"

یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ ملا کو کوڑے مار کر سامنے سے ہٹا دو۔ بادشاہ کے ساتھی نے اس کی تعمیل کی۔ ملا روتے پیٹتے گھر آئے اور شکاریوں کی جماعت آگے روانہ ہو گئی۔

اتفاق سے اس دن بادشاہ کو بہت شکار ملا۔ اس نے کئی جانور اور چڑیاں ماریں شام کو وہ لوٹا تو اس نے ملا نصرالدین کو بلوایا اور اس سے کہا۔

"نصرالدین! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا سامنا بدشگونی کا باعث ہوگا لیکن حقیقت اس کے برعکس نکلی اور مجھے خوب شکار ملا۔ تم منحوس نہیں ہو!"

ملا نے جواب دیا: "عالیجاہ! آپ نے مجھے دیکھا تو بدشگونی کا باعث سمجھا لیکن آپ کو خوب شکار ملا اس کے برخلاف میں نے آپ کو دیکھا اور اس کو اچھا شگون سمجھا تو کوڑے کھانے کو ملے —؟"

آغا خان
امام رازی
ابن عربی
امام ابن تیمیہ
البیرونی
امیر تیمور
امام غزالی
اکبر اعظم
اکبر اعظم کے نو رتن
اورنگ زیب عالمگیر
امیر خسرو
بلھے شاہ
بابا فرید گنج شکرؒ
جہانگیر
چاند بی بی
حضرت امام حسینؓ

حضرت عثمانؓ
حضرت عمر فاروقؓ
حضرت علاؤالدین صابر
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
حضرت عائشہؓ
حضرت عیسیٰؑ
حضرت موسیٰؑ
حضرت علیؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ
حیدر علی
خواجہ معین الدین چشتیؒ
خالد بن ولید
داتا گنج بخشؒ
رضیہ سلطانہ
زرتشت
سلیمان اعظم

سلطان محمد فاتح
سر سید احمد خان
سید احمد شہید
سید امیر علی
سلطان ٹیپو
سراج الدولہ
شاہ ولی اللہ
شیر شاہ سوری
شاہ عبداللطیف بھٹائی
شاہ جہاں
صدر ایوب
صلاح الدین ایوبی
طارق بن زیاد
ظہیر الدین بابر
عمر بن عبدالعزیز
علاؤالدین خلجی

غوث اعظمؒ
کمال اتاترک
قائداعظم محمد علی جناح
مولانا احمد رضا خان
مجدد الف ثانیؒ
مولانا روم
محترمہ فاطمہ جناح
مہاتما بدھ
محمد بن قاسم
محمود غزنوی
نور جہاں
وقارالملک
وارث شاہ
ہارون رشید
یاجوج ماجوج

لاہور ○ راولپنڈی ○ منگلا
پشاور ○ حیدرآباد ○ کراچی